شہر آشوب

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہے تباہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے برے وقت میں پناہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صراف بنے جوہری اور سیٹھ ساہو کار
دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب ادھار
بازار میں اڑے ہے پڑی خاک بے شمار
بیٹھے ہیں یوں دکان میں اپنی دکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار
اور جتنے پیشہ ور ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہیں تن لوہار تو پیٹے ہیں سر سنار
کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشہ والوں کے ہیں کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب بک گئے
اور ریشمی قوام بھی یک سر چنک گئے
زردار اٹھ گئے ہیں تو بنئے سرک گئے
چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا حال پتلے کھینچے جو ہو جاوے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے ہی چنتے ہیں
چلتے ہیں نان بائی تو پھر بھونجے بھنتے ہیں
دھنئے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں
روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بنتے تھے ازار بند

کوئی پکارتا ہے پڑا بھیج یا خدا
اب تو ہمارا کام تھکا بھیج یا خدا

Scanned with CamScanner

کوئی کہے ہے ہاتھ اٹھا بھیج یا خدا
لے جان اب ہماری تو یا بھیج یا خدا
کیوں روزی یوں ہے کی مرے پروردگار بند

کیونکر بھلا نہ مانگے اس وقت سے پناہ
محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیر زادے سپاہی ہوئے تباہ
جن کو جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کی پکارے ہزار بند
جو گھوڑا اپنا بیچ کے دیں کو گرو رکھیں
یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
پیکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں
وہ پیش قبض تک کی پڑی ردی بیچ میں
پھر اس کا کون مول لے وہ کچھ بیار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے
دکھن کے تئیں نکل گئے یا دیشتر گئے
ہتھیار بیچ ہو کے گدا گھر پہ گھر گئے
جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بدر گئے
پھر کون پوچھے ان کو جواب سے کنار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات
سب پر پڑی ہے آن پڑی ہے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیں اور کس کس کی کہیے بات
روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں
اب آگرے میں نام کی آسودگی نہیں
کوڑی کی آ کے ایسی ہوئی راہ گزار بند

Scanned with CamScanner

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام و سحر
کہ آگرے کی خلق پہ اب میر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر
اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند
عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
ملا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو حقیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

نظیر آگرہ کے شہر آشوب میں اقتصادی زندگی کے زوال کو مسلسل بیان کرتا چلا جاتا ہے مگر نظیر کی نگاہ اس زوال کے منظر نامہ تک ہی رہتی ہے وہ اس کے پس منظر کی طرف نہیں جھانکتا۔ زوال کو پیدا کرنے والی قوتوں اور عوامل کی طرف نہیں دیکھتا۔ اسے چھنیں پیشوں کے کاروبار تو نظر آتے ہیں مگر یہ نظر نہیں آتا کہ یہ کاروبار کن حالات میں بند ہوتے ہیں اور پیداواری نظام کس طرح سے زوال کی سمت بڑھا ہے لیکن یہ نظیر کا موضوع بھی نہیں تھا وہ نہ مورخ تھا نہ اقتصادیات کا ماہر۔ وہ صرف شاعر تھا اور اس کا مقصد اپنے عہد کو شاعری کے کینوس پہ منتقل کرنا ہی تھا وہ کوئی دانش ور بھی نہیں تھا اگر وہ کوئی دانش رکھتا تھا تو جیسا کہ ہم پیشتر کہہ چکے ہیں یہ لوک دانش تھی اور اس دانش تک اس کی رسائی اس کے اپنے ذاتی تجربات، مشاہدات اور عام آدمی کے فہم وادراک کے استفادہ سے ہو سکی تھی۔

آیئے اب ہم نظیر کی شاعری کے ایک اور پہلو کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ ہے کہ نظیر کی شاعری کا عاشقانہ موضوع ـــــ زندگی کے اخلاقی، روحانی، تہذیبی، اقتصادی اور عوامی موضوعات کے ساتھ اس کی شاعری کا عشقیہ موضوع بھی توجہ طلب ہے نظیر جیسے رند مشرب عاشق مزاج شاعر کا عشق بھی اس کی شخصیت ہی کا عکاس ہے اس کے ہاں غزل کا رکھ رکھاؤ والا عشق نہیں ہے اور نہ ہی یہ عشق مجازی معنی سے بلند ہوتا ہے یہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عشق ہے نظیر کے ہاں ہمیں شب فراق، تنہائی، گریہ زاری، دل سوزی اور جنون کی کیفیات کا مشاہدہ بھی نہیں ملتا۔ نظیر اپنے محبوب کے سامنے سجدہ ریز بھی نہیں ہوتا۔ وہ کوچہ جاناں میں میر کی طرح دیوار کا سایہ بھی نہیں ڈھونڈتا۔ نظیر کے ہاں عشق میں شوخی، چھیڑ چھاڑ، بانکپن، جنسی آرزومندی اور شباب ونشاط کی حالتیں ملتی ہیں خواہشوں سے سرشار نظیر عشق میں تلذذ کے سارے امکانات کا متلاشی رہتا ہے اس لحاظ سے وہ دبستان لکھنؤ کی ذہنی فضا کے قریب ملتا ہے اس کے عشق کی فضا میں لکھنؤ جیسی شوخی اور بھڑکیلا پن نظر آتا ہے جہاں دلی کی روحانیت کی جگہ جذبات کی تیزی رنگ دکھاتی ہے۔ نظیر کا عشق لپٹ جھپٹ کا ہے۔

Scanned with CamScanner

جس کے ہاتھ آیا اس نے ہی دھر کھینچا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں تک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے
گیدڑ کی دھن لگا دے خود شیر کو ٹھکانے
کیا کیا کرے ہیں باہم مکر و دغا بہانے
یاں وہ جگہ نظیر اک جس کو رکھا خدا نے
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں تک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

☆—☆—☆

اٹھارویں صدی کا آگرہ، دلی اور لاہور ایک جیسے آشوب کا شکار تھے ان تینوں شہروں کا زوال دولت مغلیہ کی مرکزی ہیئت کی تباہی کے باعث ہوا تھا دلی کی مرکزی ہیئت کی مضبوطی سے ان شہروں کی سیاسی اور عسکری قوت وابستہ تھی جوں ہی یہ ہیئت بگڑی ان شہروں کا وجود بھی ٹوٹنے پھوٹنے لگا۔ نواب محتشم الدولہ کی کتاب "سیر المحتشم" دلی کی جامع مسجد کے حوالے سے دارا شکوہ اور شاہجہان کے درمیان ایک مکالمے کا حوالہ ملتا ہے جس کا تعلق ہندوستان کی دفاعی حکمت عملی سے تھا۔

ایک روز دارا شکوہ نے عرض کیا کہ قبلہ عالم کرسی مسجد جامع کی فصیل قلعہ سے بہت بلند ہے اگر خدانخواستہ حریف بعد دخل یابی شہر کی مسجد سے توپ داغے تو کوے کی زد محل شاہی تک ممکن ہے فرمایا کہ بابا جان دولت خانہ شاہی کا قلعہ فصیل دریائے اٹک ہے ہرگاہ دمقام سدرہ مخالف نہ ہوا تو اس قلعے کا کیا وجود ہے۔

شاہجہان کی سیاسی عسکری اور دفاعی بصیرت نے واقعتاً دلی کے دفاع کو اٹک سے منسوب کر رکھا تھا اور جب عہد محمد شاہ میں ایک بار یہ دفاع نادر شاہ کے ہاتھوں 1739ء میں برباد ہو گیا تو پھر حقیقتاً دلی کا قلعہ بھی محفوظ نہ رہا۔ نادر شاہ کے بعد طویل عرصہ تک درانیوں کی سپاہ اٹک کو پار کر کے لاہور کو روندتی ہوئی لال قلعے کی فصیلوں سے ٹکراتی رہی۔

شاہجہان اٹک کی دفاعی حکمت پر تو انحصار کرتا تھا مگر اس نے یہ کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ جنوبی ہندوستان کے میدانوں اور پہاڑوں سے اٹھنے والے پستہ قد مرہٹے مستقبل میں شمال کی طرف طوفان کی طرح اٹھیں گے اور آگرہ دلی میں پہنچ کر اس کی تعمیر کردہ عمارت کا سونا، چاندی اور پتھر نوچ ڈالیں گے پھر ایک دن ان کے قدم پنجاب کے میدانوں کی طرف بڑھیں گے اور وہاں کے آدینہ بیگ خان 1958ء میں اُن کی خوشنودی کے لیے شاہجہان ہی کے تعمیر کردہ شالیمار باغ میں خوشبودار پانیوں کے فوارے چلا کر اور روشنیوں کو جلا کر ان کی آؤ بھگت کا سامان فراہم کرے گا اس کے بعد اُن کے گھڑ سوار دریا اٹک کے دفاعی حصار کو بھی عبور کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔

نظیر کے شہر آگرہ کی اولین تباہی بادشاہ گر سید حسین علی خان کے ہاتھوں مغلوں کے دور آخر میں اس وقت ہوئی جب اُس نے قلعہ پر قبضہ کیا آگرہ کے مؤرخ سید محمد لطیف کے بقول:

قلعہ پر قبضہ کے بعد امیر الامرا حسین علی خان نے اس میں داخل ہو کر ان تمام خزانوں، جواہرات اور قیمتی

Scanned with CamScanner

اشیا پر قبضہ کر لیا۔ جنہیں تین صدیوں سے وہاں جمع کیا گیا تھا وہاں یہ نور جہاں بیگم اور ممتاز محل کے اثاثے بھی موجود تھے مختلف اطلاعات کے مطابق جن کی مالیت دو سے تین کروڑ روپے تک تھی خاص طور پر وہاں سچے موتیوں کی ایک چادر بھی تھی جسے شاہجہان نے ممتاز محل کے مزار کو ڈھانپنے کے لیے بنوایا تھا اسے بری کے موقع پر جمعہ کی رات کو اس پر بچھایا جاتا تھا اس کی مالیت کئی لاکھ روپے تھی وہاں پہ نور جہاں کا آفتابہ اور سچے موتیوں اور سنہری کام کی کشیدہ کاری سے مزین اور قیمتی یاقوتوں اور زمردوں کے حاشیہ سے آراستہ اس کا تکیہ بھی تھا۔

1760ء کی دہائی میں آگرہ پر سورج مل جاٹ کا قبضہ ہوا اس دوران میں سکندر کے دروازوں کے مینار اڑا دیئے گئے اور تاج محل کے عظیم الشان نقرئی دروازے چرا لیے گئے۔ جاٹوں کے قبضے کے دوران سر بہ فلک عمارات ڈھا دی گئیں۔ خانقاہیں تباہ ہوئیں۔ علمی ادارے برباد ہوئے علما کے گھر لٹے۔ سورج مل کے مقرر کردہ حاکم آگرہ سو ہارام جاٹ نے آگرہ شہر کے امرا کے خزانوں کی تلاش میں نفیس اور عالی شان عمارتیں کھدوا ڈالیں۔ شہر کے ساہو کاروں پر اتنے ظلم توڑے کہ ہزار ہا نفوس آگرہ سے فرار ہو گئے۔ محلے کے محلے ویران ہو گئے۔ آگرہ کی یہ الم ناک تباہی نظیر کے شہر آشوب میں دیکھی جا سکتی ہے اس شہر آشوب کو نظیر کے فن کا شاہکار کہا جا سکتا ہے یہ اس کے افسردہ، دکھی اور شکست خوردہ دل کی آواز ہے جس میں ہر مقام پر آگرہ کے لیے اس کے خلوص اور محبت کی گواہی موجود ہے۔

شہر آشوب میں سب سے مؤثر حصہ اقتصادی تباہی سے متعلق ہے نظیر کے بقول چھتیس پیشے والوں کے کاروبار بند تھے گویا یہ پورے معاشی نظام کے ختم ہونے کی دلیل تھی۔ اکبر اور شاہجہان کا پر رونق اور ترقی پذیر آگرہ نظیر کے دور میں خزاں زدہ شہر کی تصویر بن گیا۔ وہ اجڑی عمارتوں، قلعوں، مکانوں اور مکینوں کی تباہ حالی پر گریہ زاری کرتا ہے یہ اس آگرہ کی تباہی ہے جسے کبھی میر نے آباد دیکھا تھا جو اس کا اپنا شہر تھا میر اس کی تباہی پر بلبلا اٹھا تھا۔

میں نے سوچا سبحان اللہ یہ وہی شہر ہے گلی گلی میں عارف کامل، فاضل، شاعر، منشی، دانش مند، فقیہہ متکلم، کلیم، صوفی، محدث، مدرس، درویش، متوکل، شیخ، ملا، حافظ، قاری، امام، موذن، مسجد، خانقاہ، تکیہ، مہمان سرا، مکان اور باغ تھے اور آج کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں بیٹھ کر دل خوش کر لوں ایسا آدمی نہیں ملتا جس سے کچھ دیر گپ کر سکوں بس ایک وحشت ناک خرابہ تھا جسے دیکھ کر بہت رنج اٹھایا اور واپس آ گیا۔

آگرہ کی تباہی اور بربادی میں زرعی نظام کا زوال اور پیداواری قوتوں کے انحطاط کا نمایاں حصہ نظر آتا ہے اورنگ زیب کے عہد حکومت میں مغلوں کی بیشتر عسکری قوت دکن میں سرگرم رہی جس کے باعث آگرہ اور اس کے اردگرد کے تمام علاقے مقامی سرداروں کے حملوں کے باعث غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ سڑکیں تحفظ سے مرحوم ہو چکی تھیں اس لیے تجارتی راستے بند ہو گئے تھے چونکہ مغلوں کی عسکری حکمت عملی تمام تر توجہ دکن پر مرکوز ہو چکی تھی۔ اس لیے شمالی ہند خاموشی سے اندر ہی اندر کمزور ہو رہا تھا مگر آگرہ کی تباہی میں بڑا کردار جاٹوں اور مرہٹوں کا بھی تھا 1785ء میں قلعہ پر مرہٹے قابض ہوئے انسانی جان و مال بدستور تباہ و برباد ہوتے رہتے تھے تقریباً پون صدی کی سماجی نراجیت سے سماج کے تمام طبقات اوپر سے نیچے تک اجڑتے رہے۔ انتظامی ڈھانچے کی توڑ پھوڑ کے باعث ایسا ماحول مدتوں تک پیدا نہ ہو سکا تھا جو انسانی تحفظ کی ضمانت دیتا۔ پیداواری مسائل اور قوتوں کو مجتمع کرتا، محاصل سے عسکری اور انتظامی ڈھانچے کو استحکام بخشتا جس سے صنعت، تجارت، فنون اور دستکاریوں کو فروغ ملتا۔ نظیر کے عہد کا آگرہ ان سب عوامل کی عدم موجودگی میں تاریخ کی دردناک وادی میں گریہ کناں دیکھا جا سکتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی سماجی زندگی کو کسی ساحر نے اپنے سحر سے ساکن کر دیا ہے شہر اپنی حرکی قوتوں سے محروم ہو کر گہرے دکھ، کرب اور عذاب سے اپنے تار تار وجود کو ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے شہر کے تمام پیشہ ور اپنی اپنی تباہی کی تمثالوں کے ساتھ سوگوار کھڑے نظر آتے ہیں۔

Scanned with CamScanner